Majallah-e-Tahqiq (ISSN 1991-699X)
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 45, Sr. No.136, 2024 pp 105 - 134

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علومِ شرقیہ
جلد ۴۵، شمارہ ۱۳۶، جولائی۔ستمبر ۲۰۲۴ء

فنِ تحریر کا آغاز اور پنجابی-اُردو کے حروفِ تہجی

☆ڈاکٹر احمد شہزاد

Abstract:

The writing system can be said to be the greatest invention after language. The initial writing system was simple and certain pictures were specified for certain ideas. Afterward, those pictures were named specifically, and pictorial profiles were created for effective communication. Hence, the writing system has evolved over a long period of time and is transformed into the modern writing system. Languages were just a combination of a few sounds initially. The constant repetition of these sounds turned them into letters which are termed alphabets in the Dictionary of Linguistics. In addition to the origin of writing system, this paper also delves deep into the origin and evolution of Punjabi and Urdu scriptures and alphabets. Punjabi and Urdu scripts are also regarded as Arabic-Persian scripts. Punjabi and Urdu alphabets are created after making additions to Persian letters. Different experts in Linguistics argue that owing to the changes in languages through the ages, there is a difference in the number of Punjabi and Urdu alphabets which is the fundamental research question in this paper.

☆ لیکچرار پنجابی، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، سول لائنز، لاہور

زبان کی طرح فنِ تحریر نے بھی ایک طویل ارتقائی سفر طے کیا ہے۔اس تحقیقی مضمون میں فنِ تحریر کے آغاز کے مختلف نظریے، ترسیم کی اقسام اور سرچشمے بیان کیے جائیں گے۔مصوری، تصویری خطوط سے تحریر تک کے سفر کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔اس کے ساتھ ساتھ پنجابی- اردو رسم الخط کے ارتقاء کی لسانی تاریخ کی روشنی میں ان دونوں زبانوں کے حروفِ تہجی کے لسانی ارتقاء کو سامنے لایا جائے گا۔زبان انسان کی تکلمی یا نطقی آوازوں اور مخصوص قواعد وضوابط پر مشتمل اختیاری اور متفق علیہ نظام ہے جس کا مقصد اظہار وابلاغ اور افہام وتفہیم وغیرہ ہوتا ہے۔مجموعی طور پر زبان کے دو بڑے پہلو ہو سکتے ہیں: (أ) تکلم (ب) تحریر۔بات چیت کے لیے متکلم، سامع اور گفت گو کے مواد کا وجود ضروری ہے۔یہ مواد سامع تک بہ راہ راست نہیں پہنچتا بل کہ تکلمی آوازوں کے ذریعے پہنچتا ہے اور اس مواد کی موصولی سماعت کے ذریعے ہوتی ہے۔زبان کے اس پہلو کو ''تکلم'' کہا جاتا ہے۔تکلمی آوازوں کے لیے مخصوص نشانات وضع کر کے انسان نے زبان کو مستقل وجود بخشا اور اپنے ذہن سے باہر خارج میں اس کا اظہار ممکن بنایا۔زبان کے اظہار وابلاغ کا یہ دوسرا معروف وسیلہ ہے اس پہلو کو ''تحریر'' کہا گیا ہے۔تحریر میں مواد کی موصولی کا وسیلہ قوت باصرہ ہوتی ہے۔(۱) زبان کے بعد انسان کی سب سے بڑی ایجاد فنِ تحریر کو کہا جا سکتا ہے جس پر ہماری تہذیب وشائستگی کا دارومدار ہے۔اگر انسان نے لکھنا ایجاد نہ کیا ہوتا تو اُس کی زندگی آج بھی وحشیوں کی طرح بسر ہوتی۔''تحریری نظام'' کی تعریف یوں بیان کی جا سکتی ہے:

> ''زبان کو لکھنے کے لیے کسی نہ کسی شکل کے حروف بنائے جاتے ہیں جو اس زبان میں صحیح طرح نصب ہوتے ہیں اور کچھ اصول وضوابط تشکیل دیے جاتے ہیں۔ان حروف اور اصول وضوابط کو مجموعی طور پر نظامِ تحریر (Writing System) کہا جاتا ہے۔''(۲)

گیلپ (Gelb) ''تحریر'' کو روایتی بصری نشانات کے ذریعے ترسیل باہمی کا نظام کہتا ہے:

> ''تحریر روایتی بصری نشانات کے ذریعے انسانی باہمی رابطے کا نظام ہے۔''(۳)

ارسطو نے کہا تھا کہ تقریری الفاظ ذہنی تجزیے کی علامتیں (Symbol) ہیں اور تحریری الفاظ تقریری الفاظ کی علامتیں ہیں۔پروفیسر گیان چند کے مطابق صوتی ترسیم کی حد تک تو یہ صحیح ہے کہ تحریر تقریر کی علامت ہے لیکن صوتی تحریر سے قبل ترسیم کے لیے یہ صحیح نہیں ہے۔Wellisch نے نظامِ تحریر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''تحریر کا نظام اصولوں کا ایک نظام ہے جو روایتی گرافک علامات کے ذریعے کسی زبان

کے لفظوں اور جملوں کی ریکارڈنگ کو قابو کرتا ہے۔''(۴)

تحریری نظام کو اگر محدود معنی میں لیا جائے تو ہر زبان (اگر تحریر میں استعمال ہوتی ہے) کا ایک تحریری نظام ہے اور اس کا ایک رسم الخط ہوتا ہے۔ زبان اپنے وجود کے لیے تحریر کی تابع نہیں ہے۔ بنی نوع انسان زبان کا تقریری روپ، تحریری روپ سے کہیں زیادہ استعمال کرتی ہے۔ دنیا میں اب تک جتنی زبانیں سامنے آئی ہیں اُن میں اُن زبانوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے جو کبھی نہیں لکھی گئیں بہ نسبت اُن بانوں کے جو ضبط تحریر میں آچکی ہیں۔ زبان کے لیے تحریر ایک خارجی لباس ہے اسی لیے لسانیات میں زبان کے تقریری روپ ہی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ فنِ تحریر کا مطالعہ لسانیات کا موضوع نہیں اس کے باوجود کوئی ماہر لسانیات اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا کیوں کہ زبان کا جملہ قدیم ریکارڈ تحریر یا نقوش کی شکل محفوظ ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ لسانیات میں تحریر کے سلسلے میں قبل تحریر کی اس منزل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس میں ترسیل کے لیے پتھر، کھال، چھال، لکڑی، مٹی کی ٹکیہ وغیرہ پر تصویریں یا نقوش بنائے جاتے تھے یا کندہ کیے جاتے تھے۔ چوں کہ تحریر کی اصطلاح ان کا احاطہ نہیں کرسکتی اس لیے لسانیات میں زبان کے بصری وسیلے کے سائنسی مطالعے کو ترسیمیات (Graphology/Graphemics) کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں تحریری زبان کے نظام کے تمام پہلوؤں: مثلاً حروف اور پیراگراف بندی کے ساتھ ساتھ اس میں مستعمل تصویری، لفظ اور مشہور نشانات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ترسیمیہ (Grapheme) سے مراد تحریر کی سطح پر ابجدی نظام کی بنیادی اکائی جیسے تکلم میں بنیادی اکائی صوتیہ (Phoneme) ہوتی ہے اور علم صَرف میں بنیادی اکائی صرفیہ (Morpheme)۔ ترسیمیات کو باقاعدہ علم مان کر دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (اُ) تاریخی ترسیمیات (ب) بیانیہ ترسیمیات۔ تاریخی ترسیمیات میں ترسیمیات کے فن کی تاریخ بیان کی جاتی ہے جب کہ بیانیہ ترسیمیات میں کسی مخصوص رسم الخط کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قدیم ترسیم کی دو قسمیں ہیں:

(اُ) کندہ کاری (Epigraphy): اس میں کسی سخت سطح مثلاً پتھر لکڑی یا مٹی کی تختی پر سخت نوک والے قلم یا لوہے کے کیل سے کندہ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے آثار قدیم ترین ہوتے ہیں۔

(ب) عتیق نگاری (Paleography): اس میں چمڑے یا کاغذ وغیرہ پر نقوش بنائے جاتے ہیں یا لکھا جاتا ہے۔ اس میں روشنائی یا رنگوں کا استعمال ہوتا ہے۔ نقش کھودے نہیں جاتے۔ یہ ترسیم پہلی سے بعد کی ہے۔

دوسرے بہت سے فنون کی طرح تحریر کا آغاز بھی غیر واضح ہے۔ زبان کے آغاز کی کھوج کی طرح تحریر کے آغاز کو بھی ان تین سرچشموں میں تلاش کیا جاتا ہے:

(اَ) آثار قدیمہ کے فراہم کردہ ترسیم کے قدیم ترین نمونے۔

(ب) پچھلی چند صدیوں کے قبائلیوں کی تصویر کشی یا ترسیم۔

(ج) بچوں کی تصویر کشی کا مطالعہ۔

ترسیم کے تمام باقاعدہ نظام، مشرق میں ظہور پذیر ہوئے۔ ان میں اہم ترین عراق، مصر اور لبنان کا علاقہ ہے۔ لسانیات کے طلبا کو خاص طور پر ان تمام مقامات کے قدیم ناموں سے روشناس ہونا چاہیے۔ عراق کے علاقے کو میسوپوٹیما کہتے ہیں۔ سمیریا، اشور اور بابل بھی اسی علاقے کے مختلف ادوار کے نام ہیں۔ شام کو کنعان اور لبنان کو فنیقیہ کہتے تھے۔ جزیرہ کریٹ اور قبرس (سائپرس) کو بھی اس مقصد کے لیے مشرق ہی میں شمار کرنا چاہیے۔ خلیج فارس کے اوپر کا علاقہ یعنی جنوبی ایران ''ایلم'' کہلاتا تھا۔ (۵) ان علاقوں میں تحریر کی ابتدا ہوئی۔ فن تحریر کے ارتقائی مدارج کی بات کریں تو سب سے پہلے صوری ارتقا آتا ہے جس میں تصویری خط کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے، پڑھا نہیں جاتا۔ دوسرا معنوی ارتقا ہے جس میں ہر تصویر کو اُس کے نام سے پکارتے ہیں۔ تیسرا صوتی ارتقا ہے جس میں تصویر کے اصلی مفہوم کو نظر انداز کر کے اُس کے ہم آواز کسی دوسرے لفظ کا مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ تاریخی تحقیق کی بنا پر صوتیات کی رو سے فن تحریر کے ارتقا کی تین منزلیں ہیں:

لفظی ہجائی دور (Word Syllabic Stage)

ایک خیال کو ایک نقش کے ذریعے ظاہر کیا جائے۔ اگر نقش میں پوری تصویر پیش کی جائے اور پورا لفظ ایسی تصویر پر مشتمل ہو تو اسے تصویر نگاری (Pictography) کہیں گے۔ لیکن اس قسم کے خالص تصویری خط نہیں ملتے۔ اس کی ارتقائی منزل یہ ہے کہ تصویریں زیادہ مختصر ہو جاتی ہیں۔ بعض اوقات رمزیہ علامات ہو جاتی ہیں۔ ان کو لفظ یا نقش (Logogram) کہتے ہیں کیوں کہ یہ پورے خیال کو ایک نقش سے ادا کر دیتے ہیں۔ اس دور میں ہر نشان پورے ایک لفظ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ البتہ بعض الفاظ کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے لکھتے ہیں۔ (۶)

ہجائی دور (Syllabic Stage)

اس میں خط کی اکائی رکن ہوتا ہے۔یعنی ہر علامت ایک رکن کو پیش کرتی ہے۔ان علامات کے مجموعے کو رکنیہ (Syllablly) کہتے ہیں۔ان میں لفظوں کی علامات متروک ہوجاتی ہیں اور صرف رُکنی علامات استعمال کرتے ہیں۔نشانات کی تعداد کافی گھٹ جاتی ہے۔(۷)

تہجی دور (Alphabetic Stage)

اس میں ایک نشان ایک آواز (مصمتہ یا مصوتہ) کو پیش کرتا ہے۔ اس کے نشانات کو ہجا (Alphabet) کہتے ہیں۔اس منزل میں لفظوں کے ٹکڑے حروف صحیحہ اور حروف علت میں تقسیم ہوجاتے ہیں اور نشانات کی تعداد میں مزید کمی ہوجاتی ہے۔(۸)

اسی طرح دنیا کے خطوں کی بھی تین قسمیں کر سکتے ہیں:

(۱) لفظ رکنی خطوں میں سمیری خط، مصر کا ہیروغلیفی ابتدائی ایلمی خط، وادی سندھ کا خط، کریٹ کا خط، حتی کا خط، چینی خط، میکسیکو کے خطوط اور جزیرہ ایسٹر کے خطوط شامل ہیں۔اس خط میں بیشتر علامات لفظ یا نقش ہوتی ہیں لیکن کچھ علامات رکنی بھی ہوتی ہیں۔(۹)

(۲) رکنی خطوط (Syllabbary) میں علامات رکنوں کو پیش کرتی ہیں۔لیکن ان میں زیادہ ارتقا یافتہ نظاموں میں بعض نشانات مفرد آوازوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔خالص رکنی خطوط بہت کم ہوتے ہیں۔ بیشتر کئی رکنی خط ہوتے ہیں جن میں زیادہ تر نشانات لفظ، نقش اور کم تر علامات ہوتی ہیں۔بعض خطوط کی علامات کو کچھ علما مفرد آوازیں مانتے ہیں تو کچھ صوت رکن۔رکنی خطوط میں آشوری خط، بائبلس کا خط، قبرصی کریٹی خط، نیا ایلمی، خط قدیم فارسی خط، جاپانی خط وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۱۰)

(۳) ہجائی (Alphabatic) ان میں ہر نشان کم از کم ایک مفرد آواز کو پیش کرتا ہے۔اردو، پنجابی، انگریزی، عربی وغیرہ ہجائی خط کی اہم مثالیں ہیں۔

فن تحریر کی ایجاد سے پہلے قدیم انسان نے اپنے جذبات وخیالات کے اظہار کے لیے کیا ذرائع اختیار کیے تھے، اس کا کوئی یقینی جواب نہیں دیا جاسکتا۔البتہ نیم مہذب اقوام میں جو طریقے رائج ہیں، ان سے ہم اس بات کا ضرور اندازہ کر سکتے ہیں کہ فن تحریر کی عدم موجودگی میں اُس کی کمی کو کس طرح

پورا کیا جاتا ہے۔اگر بات کرنے والوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا دونوں تاریکی میں تو اشاری گفت گو ناممکن ہوجاتی ہے۔اسی طرح زیادہ فاصلہ ہونے پر زبانی بات چیت نہیں کرسکتے۔ ان خامیوں کو محسوس کرکے انسان نے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے بعض مادی وسائل سے کام لیا اور پیغام رسانی کے مختلف طریقے ایجاد کیے جن میں سے خاص یہ ہیں:

(۱) ڈھول کی زبان

(۲) روشنی کے پیغامات

(۳) دھویں کے پیغامات

یہ تمام پیغامات وقتی ہوتے ہیں۔دیرپا اور مستقل پیغامات کے لیے مختلف اشیا کو علامات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور ضرور باتوں کو گرہ لگا کر یا کسی چیز پر نشان بنا کر یاد رکھتے ہیں۔مختلف اشیا سے خیالات کے اظہار میں سرخ ہندیوں کا طریقہ، ٹامپسن ہندیوں کا طریقہ، جسیوش کی پیغام رسانی اہم ہیں۔ اسی طرح گرہوں کی یادداشت کے ساتھ ساتھ مختلف تہذیبوں میں پیغامات کے لیے کٹاؤ دار چھڑیوں کا استعمال ہوتا رہا ہے۔(۱۱)

فن تحریر کے آغاز کی بات کریں تو بنیادی تحریر بڑی سادہ تھی اور تصاویر کے ساتھ کچھ خیالات مخصوص کر لیے گئے۔ پھر ان تصاویر کو نام دے کر پیغام رسانی کے لیے تصویری خاکے ایجاد کیے گئے۔اس طرح تحریر نے ایک لمبا سفر طے کر کے موجودہ دور کی ایک باقاعدہ تحریر کا روپ اختیار کیا۔تحریر کے آغاز بارے J.J.Gelb لکھتے ہیں:

> ''تحریر کا آغاز اس وقت ہوا جب انسان نے اپنے خیالات اور احساسات کو بصری نشانات کے ذریعے پہچاننا سیکھا جسے نہ صرف وہ خود سمجھ سکتا تھا بلکہ دوسرے تمام لوگ بھی کسی خاص نظام کے تحت کسی نہ کسی حد تک سمجھ سکتے تھے۔''(۱۲)

فن تحریر کے آغاز بارے مختلف نظریات ملتے ہیں جیسے پروفیسر گیان چند کے نزدیک تحریر کا آغاز مصوری سے ہوا۔ آثار قدیمہ میں غیر متمدن انسانوں کی بنائی ہوئی بہت سی تصویریں ملتی ہیں۔ان کی نقاشی کی تین اغراض ہوتی ہیں:

(۱) سب سے پہلی غایت مذہبی رسوم، جادوٹونا وغیرہ ہیں۔ ہندومندروں میں نقاشی کی کثرت

تصویر کشی کے مذہبی پہلو کو ظاہر کرتی ہے۔

(۲) دوسری غایت آرائش ہے۔ ہتھیاروں کے دستے پر تصویر گری یا دوسری اشیا پر خواہ مخواہ تصویریں بنانا یہ سب قدیم انسان کا آرٹ ہے۔

(۳) تیسرا مقصد ترسیل کا خیال ہے اور یہ تحریر کی طرف پہلا قدم ہے۔ (۱۳)

فن تحریر کا آغاز دجلہ اور فرات کی وادی سے ہوا۔ اس کی ایجاد کم وبیش پانچ ہزار پانچ سو سال پہلے سومیر کے شہر ارک (Uruk) کے ایک معبد میں ہوئی (۱۴)۔ جو اس وقت عراق کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر تھا۔ یعنی ترسیم کا باقاعدہ آغاز عراق، مصر اور لبنان کے علاقے سے ہوا۔ ایرک میں سومیری قوم آباد تھی۔ سومیر قوم کے بارے میں پروفیسر فرنک فرٹ اور جارجز رُو کا خیال ہے کہ یہ مغربی ایران کی سمت سے آئے تھے۔ پروفیسر وُ دلی کا کہنا ہے کہ مہذب لوگ تھے اور ان سے سومیری قوم بنی۔ ان افراد کے رنگ گندمی تھے۔ سر کے بال سیاہ تھے۔ ماہرین کے مطابق انھی سومیری لوگوں نے شہر بسائے، شہری ریاستیں قائم کیں اور تحریر کا فن ایجاد کیا۔ (۱۵) انسان کی پہلی تحریر بارے سبط حسن لکھتے ہیں:

''ورقہ کے ٹیلوں کی کھدائی سے جرمنوں نے ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء میں ایک تختی دریافت کی جس پر تصویری حروف کندہ تھے۔ اس تختی پر بیل کا سر اور کئی قسم کی بھیڑیں بنی ہوئی تھیں، یہ انسان کی پہلی تحریر تھی جو ۳۵۰۰ ق م کے قریب لکی گئی۔'' (۱۶)

اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ فن تحریر کے آغاز میں مصوری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور مصوری میں فن تصویر کشی بنیادی اکائی ہے جس میں امتیازی نشانات، نشانات ملکیت اور راستہ بتانے والے نشانات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح تصویری حساب اور منظر کشی کو بھی فن تحریر کے آغاز کی بنیادی شکلوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ مجموعی طور پر مصوری ہی تحریر کے آغاز کی طرف پہلا قدم تھا۔ ابتدا میں مصوری سے مذہبی رسومات کو ظاہر کیا جاتا تھا۔ پھر مصوری آرائش وزیبائش کے لیے بھی استعمال ہوتی رہی۔ مصوری کا تیسرا اہم مقصد اظہارِ خیال واحساس ہے۔ جدید تہذیب کے آغاز اور بالیدگی میں تحریر کا کردار کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ (۱۷) اس لیے جے ایچ۔ بریسٹڈ (J.H. Breasted) نے لکھا ہے:

''نسل انسانی کو کمال اوج تک لے جانے میں فن تحریر کا جتنا زیادہ اثر ہے اتنا کسی اور دوسرے دانش ورانہ کارنامے کو حاصل نہیں ہے۔۔۔ اب تک جتنے بھی معرکے طے ہوئے اور جتنے بھی نظام ہائے دستور وضع ہو چکے ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ اہمیت کا

حامل ہے۔''(۱۸)

زمانہ؟ قدیم کے بیشتر ملکوں میں تصویری خط رائج تھے۔شروع میں افریکا، سائبریا، الاسکا، شمالی امریکا، وسطی امریکا وغیرہ جیسی قدیم مہذب اقوام میں تصویری خط رائج رہا ہے۔ اسی طرح زمانہ قدیم کی اقوام جیسے مصری قوم، سومیری قوم، وادی سندھ کی اقوام، چینی قوم، جاپانی قوم، حتی قوم، کریٹی قوم، قبرصی قوم، تیشی قوم، یونانی قوم، حبشی قوم، عربی قوم، ایرانی قوم، ہندوستانی اقوام وغیرہ میں تصویری خط شروع میں رائج رہا۔ بعد میں حروف تہجی سامنے آئے۔ اقوام اپنی بھی اور ان اپنی زبان کے حروف تہجی کے ارتقاء کی بھی ایک مکمل لسانی تاریخ رکھتی ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب مصری ہیروغلیفی خط کو دنیا کا سب سے پرانا خط مانا جاتا تھا لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سمیری خط مصری خط سے پرانا ہے۔(۱۹) سمیری خط کے قدیم کتبے ۳۵۰۰ سے لے کر ۲۹۰۰ قبل مسیح تک کے ہیں۔ یہ خط تقریباً ۲۰۰۰ نشانات پر مشتمل تھا بعد میں رفتہ رفتہ نشانات کی تعداد گھٹ کر صرف ۸۰۰ رہ گئی۔ سومیری کے بعد مصری قوم نے آوازوں کی زبان کو ۲۲ علامتوں کے ساتھ استعمال کیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ ایک نشان، علامت یا ایک حرف ایک آواز کو ظاہر کرتا ہے، جیسے شروع میں حرف 'Alpeh' اور 'Beta' تھے۔ یونانی قوم نے ان آوازوں کی علامات کو تحریری روپ دیا۔ ۴۰۳ قبل مسیح سے قبل ساری تحریریں دائیں سے بائیں لکھی جاتی تھیں۔ یونانیوں نے اس تحریری ڈھنگ کو بائیں سے دائیں موڑ دیا۔ یونانیوں نے شروع میں ۱۳ بنیادی جروف تہجی مقرر کیے۔ بعد میں اضافے کے ساتھ یہ ۲۳ ہو گئے۔ انھوں نے یونان کے پرانے حروف کو ادا کرنے والی آوازیں الفا، بیٹا، کاپا وغیرہ کو چھوڑ کر سادہ A,B,C والی آوازیں استعمال کرنا شروع کر دیں جو آج بھی استعمال کی جا رہی ہیں۔ لاطینی حروف کو ساتھ ملا کر انگریزی کے ۲۶ حروف کو رومن حروف تہجی کی بنیاد مانا گیا۔(۲۰)

ابتدا میں جو تصویری خط رائج تھے ان میں سیکڑوں نشانات سے کام لیا جاتا تھا اس کے بعد رکنی خط ایجاد ہوئے جن میں حروف صحیحہ کے آگے پیچھے حروف علت جُڑے رہتے تھے۔ اخیر میں حروف تہجی کی ایجاد ہوئی۔ یعنی تصویری خط سے رکنی خط پیدا ہوتا ہے اور رکنی خط رفتہ رفتہ الف بائی خط میں منتقل ہو جاتا ہے۔ حروف تہجی کی ایجاد کے بعد حروفِ صحیح اور حروف علت کے لیے علاحدہ علاحدہ علامتیں مقرر کی گئی اور حروف کی تعداد سیکڑلوں سے گھٹ کر درجنوں رہ گئی۔ اس انقلاب آفریں ایجاد کا سہرا سامی قوم کے سر ہے۔(۲۱) لیکن اس حوالے سے ابھی تک لسانی تحقیق خاموش ہے کہ یہ ایک شخص کا کارنامہ تھا یا مختلف لوگوں نے اس

میں حصہ لیا۔حروف تہجی کی ایجاد کو فنیقہ والوں کے ساتھ بھی جوڑا جاتا ہے:

''فونیقی بھی پہلا ریاستی سطح کا معاشرہ تھا جس نے حروف تہجی کا وسیع استعمال کیا اور کنعانی فونیقی حروف تہجی کو عام طور پر تقریباً تمام جدید حروف تہجی کا پُرکھ سمجھا جاتا ہے۔فونیقا والے فونیقی زبان بولتے تھے جس کا تعلق سامی زبان کے خاندان میں کنعانی زبانوں کے گروہ سے ہے۔''(۲۲)

جس زمانے میں فنیقی اپنے حروف تہجی کی ترقی میں مصروف تھے، اس زمانے میں یہودیوں نے اسی قوم کے لیے فنیقی خط کی مدد سے عبرانی خط ایجاد کیا۔(۲۳) یہ خط اب تقریباً ختم ہوگیا ہے۔جدید قسم کا عبرانی خط پہلی صدی قبل میں ایجاد ہوا، کیوں کہ یہ فنیقی خط میں سے نکلا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ فنیقی خط سے بڑا ملتا جلتا ہے۔عبرانی زبان ۱۱۰۰ ق م یا اس سے پہلے رائج ہوئی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت عبرانی زبان ہی میں ہے اور اس کی ترتیب کا زمانہ ۸۰۰ ق م کا ہے۔کلاسیکی عبرانی کا رواج ۶۰۰ ق م یا چوتھی صدی قبل مسیح کے قریب تک رہا۔(۲۴) ادھر حضرت ابراہیم یہودیوں کے کچھ خانہ بدوش قبیلوں کو ۵۳۶ ق م میں فلسطین لے آئے۔لیکن وہاں کی زبان آرامی ہوگئی تھی۔کلاسیکی عبرانی آرامی کیا ثر سے بہت ادبی ہوگئی یہاں تک کہ فلسطین کی زبان اس سے بالکل مختلف ہوگئی۔قدیم عبرانی پہلی صدی عیسوی کے آخر تک کتابوں میں رائج رہی۔جدید عبرانی کو حکمم کہتے ہیں جس کے معنی ہیں حکیموں کی زبان۔(۲۵) یہ کم از کم دوسری صدی عیسوی تک صورت پذیر ہوچکی تھی۔عبرانی، تالمودی عبرانی کے طور پر ساتویں صدی تک زندہ رہی۔اس صدی میں اسلام کے ظہور کے بعد یہ بالکل ختم ہوگئی۔یہودیوں نے دنیا میں منتشر ہونے کے باوجود عبرانی کو فراموش نہیں کیا۔جرمنی میں عبرانی اور جرمن کے اختلاط سے ایک زبان Yiddish ظہور پذیر ہوئی جو بنیادی حیثیت سے جرمن ہی ہے۔حکومت اسرائیل قائم ہونے کے بعد عبرانی مسلسل ترقی کررہی ہے۔یہ اسرائیل کی سرکاری زبان ہے لیکن کسی کی مادری زبان نہیں۔ایک نظریے کے مطابق تمام حروف ابجد عبرانی ہیں جو عربی اور اردو میں رائج ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لکھائی کے الگ الگ حروف ایجاد کرنے کا سہرا فنیقیہ والوں کے سر نہیں آتا لیکن تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ صرف فنیقیہ کی ہی ترتیب تھی جو سب سے پہلے لکھائی کی الف بے طرح دنیا میں رواج پائی وہ الگ الگ حرف مختلف لوگوں کی ایجادات سے لے کے ہی اکٹھے کیے گئے

تھے۔(۲۶) سومیری، میخی خط کی سب سے پرانی بابلی مثال سے لے کر فارسی دور کی مثال تک ہمیں لکھائی کے الگ الگ حرفوں کی کچھ تعداد تو ضرور ملتی ہے لیکن سارے الگ الگ نشان خالص ابجدی حرف نہیں ہوں گے۔ بہ ہر حال حروف تہجی کے موجد یا موجدین کا شمار اُن ہستیوں میں کرنا چاہیے جنھوں نے بنی نوعِ انسان کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچایا ہے۔ سامی حروف سے دنیا کے تمام قدیم وجدید حروف تہجی ماخوذ ہیں۔ چناں چہ عبرانی، عربی، یونانی، رومن، روسی اور ہندوستانی رسم الخط کا ماخذ یہی سامی حروف تھے۔(۲۷)

اُن آوازوں کے لیے جنھیں انسان ادا کر سکتا ہے نشانات مقرر کر دیے گئے ہیں اور نوع انسان کے ایک خاص طبقے میں ہر چیز متفقہ طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ فلاں نشان فلاں آواز کو ظاہر کرے گا۔ ایسے نشانات ک حروفِ ہجا یا حروفِ تہجی کہتے ہیں۔

> ''کسی زبان کے تحریری حروف، اپنی روایتی ترتیب میں، ہر ایک آواز یا آوازوں کے مجموعے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس میں آئیڈیوگرام یا لوگوگرام اور ہجائی نشانات خاص طور پر شامل ہیں۔''(۲۸)

زبانیں ابتدا میں محض آوازیں ہوتی ہیں اس کے بعد آوازوں کے تکرار سے حرف بنتے ہیں جنھیں لسانیات کی لغت میں ابجد (Alphabets) کہا جاتا ہے۔ حرفوں کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ البتہ یہ قابل شناخت آوازیں اور علامتیں ہوتی ہیں۔ دنیا کی ہر زبان ابجد کا اپنا اپنا بنیادی نظام رکھتی ہیں۔

> ''گرافک علامات یا حروف کی ایک خاص ترتیب جس میں ایک زبان لکھی جاتی ہے اور جس میں گرافیمز بنیادی آوازوں اور صوتیات کو ظاہر کرتے ہیں۔''(۲۹)

صوتی آوازوں کے تحریری شکل کو حرف کہا جاتا ہے۔ انھیں آوازوں کی علامت یا نشانی بھی کہا جاتا ہے۔(۳۰) یہی علامتیں جو لکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں حروف تہجی کہلاتی ہیں۔ Collins Dictionary میں حروف تہجی کی تعریف یوں کی گئی ہے:

> ''حروف تہجی حروف کا ایک مجموعہ ہے جو عام طور پر ایک مقررہ ترتیب میں پیش کیا جاتا ہے جو کسی خاص زبان یا زبانوں کے گروہ کے الفاظ لکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔''(۳۱)

ہر زبان کی بنیادی علامات کو حروف سے ظاہر کیا جاتا ہے جس پر اُس زبان کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ یہ حروف زبان کا معیار اور مزاج کا تعین کرتے ہیں۔ بچے کو جب بولنا، پڑھنا یا لکھنا سکھایا جاتا

ہے تو اس کی ابتدا انھی حروف سے کی جاتی ہے۔

وہ حروف جن سے کوئی زبان وجود میں آتی ہے اس زبان کے حروف تہجی کہلاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کسی بھی زبان کو بولنے، لکھنے اور پڑھنے کے لیے جن لفظوں کا سہارا لیا جاتا ہے وہ لفظ کچھ حروف کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ انھی حروف کو حروف تہجی کہا جاتا ہے۔(۳۲)

وادی سندھ کے رسم الخط اور زبان کی بات کریں تو ابھی تک تحقیق جاری ہے کہ ہڑپہ اور موہن جوڈارو کا اصل رسم الخط اور زبان کیا تھی۔ رسم الخط بارے یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ یہ تصویری، تصوری یا حروف ابجد والا تھا۔ ڈاکٹر جی آرنٹر، پروفیسر اسٹیفن لنگڈن، سی جے گاڈ، بیڈنی سمتھ، اسٹورٹ پگٹ، سرجان مارشل، سرمورٹیمر وہیلر مادھوسروپ وٹسن، ایس کوسیکنی ایمی، اے ہر پولا، ایس پر پولا، سرایلگز انڈر کننگھم، ڈاکٹر کے، پی جیسوال، رائے بہادر بشن سروپ، فادر ایچ، ہیراس، ڈاکٹر پران ناتھ، محمد اسحاق صدیقی، محمد آصف خاں اور عین الحق فرید کوٹی وغیرہ نے ہڑپہ اور موہن جوڈارو کی مہروں، نشانات اور زبان پر بھرپور تحقیق کی ہے۔ سندھ اور پنجاب کے قدیم رہائشی ''پنی'' سمندر کے ذریعے بابل اور نینوا کے لوگوں کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔ یہ لوگ دارااوڑ تھے۔ اُس وقت یہاں ابھی آریا آئے ہی نہیں تھے۔ بابل کی تحریروں سے تجارتی مال (جیسے ہاتھی، دانت، بندر، مور اور چاول) کے لیے جو نام ملے ہیں وہ درواڑی زبانوں سے ملتے ہیں۔ کم وبیش ۸۰۰ ق م میں سندھ اور پنجاب کے لوگ حروف تہجی سے واقف ہوئے اور ان حروف کو اپنے ساتھ یہاں لائے۔(۳۳)

پنجاب میں آسٹرائیڈ، نیگرائیڈ، منڈا، دراوڑ، آریہ، سکائتھین، پارتھین، ایرانی، یونانی، ہُن، عرب، پٹھان، مغل اور انگریز آئے۔ یہ سب حملہ آور اپنی زبان کے ساتھ اپنا رسم الخط بھی ساتھ لائے۔ جیسے تقریباً پانچ ہزار ق م میں دراوڑوں نے اپنی زبان دراوڑی اور دراوڑی رسم الخط یہاں رائج کیا۔ اس کے بعد آریا سندھ اور پنجاب میں آئے۔ انھوں نے ویدک زبان کی بجائے سنسکرت زبان اور براہمی رسم الخط کو ایجاد کیا۔ پھر ایرانیوں نے خروشتی اور آرامی رسم الخط کو رواج دیا۔ بعد ازاں یونانیوں نے یونانی، عربوں نے عربی، ایرانیوں نے فارسی، پھر ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے فارسی رسم الخط کو عوام میں مقبول بنایا اور آخر میں انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں انگریزی رسم الخط کو ہندوستان میں رائج کیا۔ اس تجزیے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پنجاب میں مختلف ادوار میں ہڑپائی رسم الخط (جو قدیم زمانے میں پنجاب میں سب

سے پہلے ایجاد اور رائج ہوا)، براہمی رسم الخط، خروشتی رسم الخط، آرامی، یونانی، عربی، فارسی، اور انگریزی رسم الخطوط رائج رہے۔(۳۴) تاریخ میں پنجابی زبان کے لنڈا رسم الخط کا ذکر بھی ملتا ہے جو مہاجن پیشہ آدمیوں سے مخصوص ہے۔ یہ الفاظ لنڈا اس لیے استعمال ہوتے تھے کیوں کہ یہ مختصر تھے۔لنڈا کے معنی ہیں ''کٹا ہوا۔'' اس کا لاہنڈا زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عرب کے باشندوں کا رسم الخط عربی تھا۔قرآن مجید اسی رسم الخط میں لکھا گیا عرب میں شاعری اور نثر اسی رسم الخط میں تحریر کی گئی۔ بعد ازاں جب مسلمانوں نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو انھوں نے جو ممالک زیرنگیں کیے ان میں عربی رسم الخط کو مروج کیا۔ یوں مصر، لیبیا، مراکش، ایران اور ہندوستان میں عربی رسم الخط متعارف ہوا۔عربی میں ابتدأ صرف ۲۲ حروف تھے ابجد سے قرشت تک۔ بعد میں ان نقطوں کی مدد سے ۶ حروف ث، خ، ذ، ض، ظ، غ کا اضافہ کیا گیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں ''لا'' کا اضافہ ہوا اور ہمزہ سمیت عربی میں ۲۹ حروف قرار پائے۔(۳۵) ظاہر ہے کہ ''لا'' مفرد حرف نہیں مرکب ہے۔ ہندوستان میں عربی رسم الخط کا رواج محمد بن قاسم (۷۱۲ء) کے حملے کے بعد شروع ہوا۔ ہندوستان میں یہ سندھی، پنجابی (شاہ مکھی)، اردو کے علاوہ کشمیری میں بھی مستعمل ہے۔مسلمانوں نے جب ایران فتح کیا اور وہاں عربی رسم الخط کو رواج دیا تو محسوس کیا کہ عربی رسم الخط میں اُن آوازوں کا فقدان ہے جو ایران کے باشندے روزمرہ کی بات چیت میں کرتے ہیں۔عربی رسم الخط اُن آوازوں کو ظاہر کرنے کے لیے صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ چناں چہ ایرانیوں نے جب عربی رسم الخط کو اپنایا تو انھوں نے اپنی ضرورت کے پیش نظر اُس میں چند حروف (آوازوں) جیسے پ، چ، ?، گ وغیرہ کا اضافہ کرلیا۔اس حوالے سے پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں:

> ''عربی خط جب ایران پہنچا تو چوتھی صدی ہجری میں حسن بن حسین علی نے خط رقاع اورخطِ توقیع سے خطِ تعلیق برآمد کیا۔ نسخ اور تعلیق کو ملا کر شاید تیمور لنگ (۱۷۷ تا ۸۰۱ء) کے عہد میں خواجہ میر علی تبریزی نے نستعلیق ایجاد کیا لیکن ابوالفضل کہتا ہے کہ نستعلیق تیمور سے پہلے ہی وجود میں آ چکا تھا۔خواجہ ابوالمعالی بک نے فارسی کے مخصوص حروف کے لیے نقطے لگا کر پ، چ،، گ ایجاد کیے۔''(۳۶)

عربی رسم الخط کے حروف کی تعداد ۲۸ تھی لیکن جب اس میں فارسی حروف کا اضافہ ہوا تو ان کی تعداد ۳۶ ہوگئی۔سنسکرت اور ہندی حروف کی آمیزش سے اُن حروف کی گنتی پچاس تک پہنچ گئی۔ جب محمود

غزنوی نے ہندوستان پر بار بار سترہ حملے کیے اور یہاں ایرانیوں اور تورانیوں نے حکومت قائم کی۔ مدرسے کھولے، تعلیم وتدریس عام ہوئی تو فارسی زبان اور فارسی رسم الخط کو ذریعہ تعلیم ٹھہرایا گیا تو یہاں کے لوگ فارسی زبان، ادب اور رسم الخط سے فیض یاب ہوئے۔ پنجاب کے مسلمانوں نے ایرانیوں کی مانند عربی اور فارسی رسم الخط میں کمی وبیشی کر کے خالص پنجابی رسم الخط بنانے کی کوشش کی۔ انھوں نے پنجابی رسم الخط میں تبدیلی کرتے ہوئے قریب المخر ج آوازوں کو ایک دوسرے کے قریب رکھا اور ان کی علامتوں اور شکلوں میں بہت کم تبدیلیاں کیں۔ پنجابیوں نے فارسی رسم الخط میں ''ٹ، ڈ'' اور ''ڑ'' وغیرہ جیسے حروف اور ہائیہ حروف جیسے ''بھ، پھ، تھ، کھ، گھ'' وغیرہ کا اضافہ کر کے جو نیا رسم الخط بنایا اسے عربی فارسی رسم الخط کا نام دیا اور اسے ہی پنجابی کا شاہ مکھی رسم الخط کہا جاتا ہے۔ جب اردو زبان لکھنے پڑھنے میں آنے لگی تو یہی شاہ مکھی رسم الخط اُس کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس حوالے سے سردار محمد خان لکھتے ہیں:

> ''پنجاب میں یہ پنجابی تھے جنھوں نے فارسی رسم الخط میں تین حروف ''ٹ، ڈ'' اور ''ڑ'' زیادہ کر کے نیا رسم الخط بنایا تھا۔ جو کہ آج کل اردو رسم الخط کہلاتا ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ پنجاب ہی آج اپنی پنجابی کے لیے نئے رسم الخط کی تلاش میں نکلے۔ اس وقت پنجابی کے پرانے خط ''خروشتی'' اور ''ٹاکری (لنڈا)'' یا تو مُردہ ہو چکے تھے یا اُن میں وہ لسانی رنگ نہیں رہا تھا جو عربی فارسی کے نئے آئے ہوئے الفاظ نے پیدا کر دیا تھا۔ یہی رسم الخط جسے عام طور پر اردو رسم الخط کہا جاتا ہے اصل میں پنجابی رسم الخط ہے یہ دوسری بات ہے کہ اُردو نے اس خط کو کس طرح اپنا بنا لیا، آخر اپنا بائے ہی اپنا بنتا ورنہ اپنا بھی پرایا ہو جاتا ہے۔''(۳۷)

پنجابی زبان کم وبیش پانچ رسم الخطوں میں لکھی جاتی ہے: شاہ مکھی، گرمکھی، دیوناگری، سندھی اور رومن۔

شاہ مکھی اور گرمکھی میں پنجابی زبان کا تقریباً ۹۰ فیصد سرمایہ ہے۔ باقی رسم الخطوں میں تھوڑی بہت کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ پنجابی زبان کا حدود اربعہ بہت زیادہ ہے۔ یہ دلی سے لے کر پشاور، مظفر آباد سے خیر پور تک بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اب واہگہ سے دِلی تک پنجابی کے گرمکھی رسم الخط کا راج ہے اور واہگہ سے اِدھر پاکستان میں شاہ مکھی کا۔ اس لیے پنجابی کے شاہ مکھی رسم الخط جسے پاکستانی پنجابی بھی کہا جاتا ہے فہرست میں شامل حروف بارے بات کی جائے گی۔ پنجابی کے سارے حروف عربی فارسی سے نہیں،

ہندوستان کی مقامی زبانوں اور لہجوں کے اثر ساتھ یہاں کی مقامی آوازیں جیسے ''ٹ، ڑ، ڑھ، ڈ، ڈھ'' اور دوسری ہائیہ آوازیں پنجابی حروف تہجی کی فہرست میں شامل ہوئیں۔ پنجابی حروف تہجی کی تشکیل میں دراوڑی، آریائی، ترکی، عربی اور فارسی زبان نے بھی اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔ دنیا کی باقی ساری زبانوں کے حروف تہجی کی طرح پنجابی زبان کے حروف تہجی بھی ایک دفعہ میں ہی وجود میں نہیں آئے بل کہ اُن کو بنانے میں کیر سال لگے ہیں۔ ان کی بناوٹ اور آوازوں کے مطابق ڈھالنے میں ماہرین نے بڑا وقت صرف کیا ہے۔(۳۸) جیسے حرف ''ٹ'' نے عیب دیے گئے کئی روپ بدلے ہیں:

ٹ ت ث تؕ ٹ(۳۹)

پنجابی زبان کے حروف تہجی کی فہرست کے حوالے سے دیکھیں تو مختلف ماہرین نے تحقیق کے بعد اس میں مختلف حروف شامل کیے ہیں اور ماہرین کی حروف کی گنتی میں بھی فرق آتا ہے۔ جیسے چوہدری محمد بشیر گورائیہ نے پنجابی حروف تہجی کے ۵۰ حرف بتائے ہیں جن میں ۳۷ مفرد اور ۱۳ مرکب حروف شامل کیے ہیں جیسے:

اب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و

ہ ء ی ے بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ کھ گھ لھ مھ نھ۔(۴۰)

پنجابی اور ملتان میں تاریخی، جغرافیائی، ثقافتی اور لفظی اشتراک کے ساتھ ساتھ حروف تہجی کے لحاظ سے بھی مماثلث دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس لیے ملتانی یا سرائیکی کے حروف تہجی کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ پنجابی حروف تہجی کے ارتقائی سفر کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔ پروفیسر شوکت مغل نے ''سرائیکی قاعدہ''، ''سرائیکی نئوبھتی قاعدہ'' (قدیم ملتانی قاعدہ) اور ''آؤ سرائیکی پڑھوں تے سرائیکی لکھوں'' میں حروف تہجی کی تعداد الگ الگ بتائی ہے۔ ''سرائیکی قاعدہ'' میں کل ۵۸ حروف ہیں ۴۳ مفرد حروف اور ۱۵ مرکب حروف شامل کیے ہیں: جیسے:

مفرد حروف:

آ اب پ ت ٹ ث ج ج چ ح خ د ڈ ڈ ذ ر ڑ ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ گ ل م ن ں و ہ ء ی ے

مرکب حروف:

بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ ۔(۴۱)

اسی طرح شوکت مغل کے مرتب کیے ہوئے قدیم ملتانی قاعدے میں جو حروف تہجی میں حروف شامل ہیں ان کی تعداد ۳۰ ہے اور اس میں سارے مفرد حروف ہی ہیں:

اب ت ث ج ح خ د ذ ر ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ ء ی ے ۔(۴۲)

''آؤ سرائیکی پڑھوں تے سرائیکی لکھوں'' میں شوکت مغل نے ''سرائیکی قاعدہ'' کے برعکس ''ء'' کو حروف تہجی میں شامل نہیں کیا اور ''ی ے'' کو ایک حرف ہی شمار کیا ہے۔ اس طرح مفرد حروف کی تعداد ۴۱ بتائی ہے۔ مرکب حروف میں ''وھ'' کا اضافہ کیا ہے اور ان کی تعداد ۱۶ بتائی ہے۔ اس طرح حروف تہجی کی فہرست میں کل ۵۷ حروف شامل کیے ہیں جیسے:

آ اب ب پ ت ٹ ث ج ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن ن و ہ ی ے

بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ وھ ۔(۴۳)

امان اللہ کاظم نے ''جامع سرائیکی قواعد'' میں سرائیکی کے ۶۲ حروف تہجی بتائے ہیں جن میں ۳۸ دوسری زبانوں کے ۵ خالص سرائیکی کے اور ۱۹ مرکب حروف شامل ہیں:

آ اب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن
و ہ ء ی ے
ب ح ڈ گ ن
بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ وھ یھ نج (نون غنہ + ج) نگ (نون غنہ + گ)(۴۴)

غلام حسین راہی گبول اور قاصر زیدی کی کتاب ''سرائیکی دی پہلی کتاب نال سرائیکی قاعدہ'' کے پہلے حصے میں حروف تہجی کے مفرد اور مرکب حروف الگ الگ دیے ہیں۔ کل ۵۳ حروف تہجی بتائے ہیں جن میں ۴۳ مفرد اور ۱۰ مفرد حروف ہیں جیسے:

آ اب ب پ ت ٹ ث ج ج چ ح خ د ڈ ذ ر ز ڑ ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک
گ گ ل م ن ن و ہ ء ی ے
بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ، کھ گھ(۴۵)

محمد بشیر احمد ظامی بہاولپوری نے حروف تہجی میں ''آ'' کو شامل نہیں کیا۔ آٹھ مخصوص آوازوں کو شامل کر کے چوالیس مفرد حروف کی فہرست دی ہے جب کہ بھ پھ اور تھ وغیرہ کے مرکبات کو ان پر مستزاد گردانا ہے اور ان کی مکمل فہرست نہیں دی۔ ۴۴ مفرد حروف یہ ہیں:

ا ب ب پ ت ٹ ث ج ج ج چ ح خ د ڈ ڈ ذ ر ز ڑ ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک
گ گ گ ل م ن ن و ہ ء ی ی۔(۴۶)

اختر حسین خاں، زبیر بن قاسم اور مرزا فیاض ظفر بیگ نے ''سرائیکی قاعدہ'' میں پانچ مخصوص آوازوں کو شامل کر کے صرف مفرد حروف کی فہرست دی ہے۔ اس طرح انھوں نے ۴۲ حرف حروف تہجی میں شامل کیے ہیں۔ جس میں انھوں نے بھی ''آ'' کو شامل نہیں کیا۔

ا ب ب پ ت ٹ ث ج ج چ ح خ د ڈ ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ
گ ل م ن ن و ہ ء ی ے۔(۴۷)

کیفی رسول پوری نے اپنے مرتب کیے ہوئے قاعدے کی حروف تہجی میں ''آ'' کو شامل کیا ہے۔ مخصوص آوازوں والے حروف کو اضافی حروف کے نام سے شامل کیا ہے۔ اس طرح مفرد اور مرکب حروف کو ملا کر ۵۹ حروف تہجی بتائے ہیں۔ اس میں ۴۳ مفرد اور ۱۶ مرکب حروف شامل ہیں جیسے:

آ ا ب ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ
گ ل م ن ن و ہ ء ی ے
بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ (۴۸)

حسام حر نے حروف تہجی میں ''آ'' کو شامل نہیں کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ''ھ'' ''ہ'' کو الگ الگ حرف شمار کیا ہے۔ اُن کے نزدیک ہند کو آوازوں میں بھ، جھ، ڈھ، دھ اور گھ نہیں ہوتیں۔ کل ۴۷ حروف تہجی بتائے ہیں جس میں ۳۷ مفرد اور ۱۰ مرکب حروف شامل ہیں جیسے:

ا ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و
ھ ہ ی ے
پھ تھ ٹھ چھ کھ پہ ٹہ تہ چہ کہ(۴۹)

مزمل احمد نے بھی ''آ'' کو حروف تہجی میں شامل نہیں کیا۔ ۳۷ مفرد حروف اور ۱۳ مرکب حروف کے ساتھ ۵۰ حروف تہجی بتائے ہیں:

اب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و
ہ ء ی ے۔
بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ ڑھ کھ گھ لھ نھ (۵۰)

شبیر جی نے پنجابی کے عربی فارسی رسم الخط جسے شاہ مکھی رسم الخط بھی کہا جاتا ہے کے رائج حروف تہجی سے ہٹ کر پنجابی حروف تہجی میں نئے حروف شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ خالص پنجابی حروف، دوسری زبانوں سے آنے والے حروف، دوچشمی (ھ) سے بننے والے حروف، طوئے (ط) والے حروف، گول دائرے والے حروف وغیرہ کی الگ الگ فہرست دی ہے۔ مفرد، مرکب اور مخصوص آوازوں والے حروف کو ملا کر انھوں نے اپنے نئے پنجابی رسم الخط ''بے بے مکھی'' میں ۵۶ حروف تہجی شامل کیے ہیں:

ا ء آ ب بھ بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ جھ چ چھ ح خ د دھ دھ ڈ ڈھ ڈھ ذ ر ڑ ز س ش
ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ گھ ل م ن ن ن و ہ ہ ی ے ے (۵۱)

پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی نے پنجابی اور اردو کے حروف تہجی کو ایک ہی مانا ہے۔ ان کے نزدیک پنجابی اور اردو کے حروف تہجی مفرد اور مرکب حروف کو ملا کر ۲۵ بنتے ہیں۔ لیکن وہ ہمزہ (ء) کو الگ حرف نہیں مانتے بلکہ ان کے مطابق یہ صرف ''ا'' اور ''ی'' کے ساتھ آتا ہے۔ انھوں نے عربی اور فارسی سے پنجابی اور اردو میں آنے والے حرف الگ بتائے ہیں جیسے: عربی سے آنے والے حرف:

ا، ب، ت، ث، ج، ح، خ، د، ذ، ر، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، ل، م، ن، و، ہ، ء، ی (ہمزہ کو نکال کے کل ۲۷)

فارسی سے آنے والے حرف:

ا، ب، پ، ت، ث، ج، چ، ح، خ، د، ذ، ر، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف،
ق، ک، گ، ل، م، ن، و، ہ، ء، ی (ہمزہ کو نکال کے کل ۳۲)

پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی کے نزدیک پنجابی اور اردو حروف میں جو حرف عربی سے نہیں وہ پ، ٹ، چ، ڈ، ڑ اور گ ہیں۔ اور فارسی سے جو نہیں آئے ان میں ٹ، ڈ، ڑ ہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک دوچشمی حروف میں بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ ہندی کے حرف ہیں جبکہ رھ، لھ، مھ اور نھ خاص اردو کے ہیں۔ پنجابی اور اردو کے مکمل حروف تہجی جو انھوں نے بتائے ہیں اُس میں انھوں نے ہمزہ (ء) کو شامل کیا ہے لیکن مرکب حرف ''جھ'' جسے انھوں نے ہندی حرف کہا وہ اس فہرست میں شامل کرنا بھول

گئے ہیں اس لیے ان کے نزدیک پنجابی اور اردو کے ۲۵ حروف تہجی یہ ہیں جس میں ہمزہ (ء) اور ''جھ'' دونوں شامل ہیں۔ البتہ ''آ'' شامل نہیں ہے۔

اب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و
ہ ء ی ے بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ (۵۲)

MangatRaiBhardwaj نے اپنی پنجابی گرامر میں پنجابی کے شاہ مکھی رسم الخط کو بغیر کسی دلیل کے سو فیصد اردو رسم الخط قرار دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا ہے کہ یہ پنجاب میں پنجابی ہی تھے جنھوں نے فارسی رسم الخط میں کچھ حروف شامل کر کے نیا رسم الخط شاہ مکھی بنایا تھا۔ جب بعد میں اردو پڑھنے لکھنے میں آنے لگی تو یہی رسم الخط اُس کے لیے استعمال ہونے لگا۔ انھوں نے شاہ مکھی کے حروف تہجی میں ''آ'' اور ہمزہ (ء) کو شامل نہیں کیا اور ''ہ'' اور ''ھ'' کو الگ الگ حرف شمار کیا ہے۔ حروف تہجی میں صرف مفرد حروف کو شامل کیا ہے جن کی تعداد ۳۷ بنتی ہے:

اب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و
ہ ھ ی ے۔(۵۳)

سردار محمد خاں ابجدی حروف کو ہر زبان میں مخصوص نام دینے کے قائل ہیں، جیسا انھوں نے عربی کے ابجدی حروف کی مالا کو حروف تہجی کہا ہے جب کہ پنجابی اور اردو کے حروف کی مالا کو ''الف بے'' کہا ہے۔ انھوں نے پنجابی کی ''الف بے'' میں ''آ'' کو شامل نہیں کیا اور چھوٹی سی ''ط'' اور نقطہ کے اضافہ سے بننے والی آوازوں کو بھی فہرست میں شامل نہیں کیا۔ اُن کے نزدیک یہ آوازیں خاص اصولوں کے بحث آتی ہیں وہ بھی صرف فرق بتانے کے لیے اس لیے ان کو ابجد میں شامل نہیں کرنا چاہیے جیسے پ چ ڑ ڈ گ ل م ن ں۔ پنجابی کی ''الف بے'' کی ۵۲ حروف کی یہ فہرست دی ہے:

اب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض
ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و ہ ء ی ے (۵۴)

جمیل احمد پال نے پنجابی قاعدہ میں پنجابی کے ۵۴ حروف تہجی بتائے ہیں جن میں ۴۰ مفرد اور ۱۴ مرکب حروف ہیں اور اگر اڑنون (ں) کو الگ حرف شمار نہ کریں تو گنتی ۵۳ بنے گی جو قاعدے کے شروع میں انھوں نے لکھی ہے:

ا آ ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض ط

ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ ں و ہ ء ی ے۔(۵۵)

ڈاکٹر شہباز ملک نے بڑی تفصیل کے ساتھ پنجابی حروف تہجی پر تحقیق کی ہے۔انھوں نے پنجابی کے بنیادی صوتیے اور غیر مقامی صوتیے الگ الگ کر کے بتائے ہیں۔''آ'' حروف تہجی میں شامل نہیں کیا۔ ''ح'' کو غیر مقامی صوتیے کی فہرست میں شامل کیا ہے لیکن جب حروف تہجی کی مکمل فہرست دی ہے تو اس میں نہیں لکھا۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کے مطابق ''ژ'' بھی غیر مقامی صوتیہ ہے جسے انھوں نے پنجابی کے غیر مقامی صوتیے کی فہرست میں شامل نہیں کیا لیکن حروف تہجی کی مکمل فہرست میں شامل کیا ہے۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے اپنی ''مڈھلی پنجابی گرامر'' میں جب ڈاکٹر شہباز ملک کا حوالہ دیتے ہوئے اُن کے بتائے ہوئے بنیادی صوتیے لکھتے ہیں تو وہ ''ݨ'' لکھنا بھول گئے ہیں حالاآں کہ ڈاکٹر شہباز ملک نے اپنی کتاب ''پنجابی لسانیات'' میں ''پنجابی دے مڈھلے صوتیے'' کے عنوان کے تحت ''ݨ'' کو فہرست میں شامل کیا ہے۔ڈاکٹر شہباز ملک کی تحقیق کے مطابق پنجابی حروف تہجی کی گنتی ۵۴ بنتی ہے:

ا ب بھ پ پھ ت تھ ط ٹ ٹھ ج جھ چ چھ خ د دھ ڈ ڈھ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ ذ ض ظ س ش ص ش
غ ف ک کھ ق گ گھ ل ل لھ م مھ ن ݨ نھ و ح ہ ء ع ی ے(۵۶)

پنجابی زبان وادب کے اہم محقق ونقاد اور لسانی حوالے سے کئی اہم تحقیقات سامنے لانے والے محمد آصف خان نے اپنے مرتب کیے ہوئے ''پنجابی قاعدہ'' میں پنجابی حروف تہجی ۵۳ لکھے ہیں۔انھوں نے بھی ''آ'' کو شامل نہیں کیا اس کے ساتھ ساتھ اڑنون (ݨ) کو شامل کیا ہے لیکن اڑلام (ل) شامل نہیں کیا۔ یہاں بھی ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کو مغالطہ لاے ہے کہ انھوں نے ''مڈھلی پنجابی گرامر'' میں محمد آصف خاں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے پنجابی حروف تہجی میں ۵۲ حروف لکھے ہیں اور حرف ''ذ'' لکھنا بھول گئے ہیں حال آں کہ محمد آصف خاں کے ''پنجابی قاعدہ'' میں حرف ''ذ'' موجود ہے۔اس لیے محمد آصف خان کے مطابق پنجابی حروف تہجی ۵۳ ہی ہیں:

ا ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض
ط ظ ع غ ف ک کھ ق گ گھ ل لھ م مھ ن ݨ نھ و ہ ء ی ے۔(۵۷)

حروف تہجی میں کون سے حروف شامل کیے جائیں اس کا فیصلہ املا کا شعبہ کرتا ہے اور ان کے مطابق کسی زبان میں جتنے صوتیے ہوں اُن کے مطابق ہی ابجد میں حروف ہونے چاہئیں لیکن کچھ لسانی ماہرین کے مطابق یہ ٹھیک نہیں کیوں کہ صوتیے کا تعلق علم الاصوات کے ساتھ ہے اور کتابت میں اصواتی

حروف کے ساتھ ساتھ علیحدہ نشانیاں بنائی جاتی ہیں اور اگر ان نشانیوں کو الگ حروف کی شکل دے دی جائے تو قاری مشکل میں پھنس جائے گا۔ اس کے ساتھی ہی اگر ہم آواز حروف ابجد میں سے نکال دیں جو اصواتی لحاظ سے غیر ضروری ہیں تو زبان کا حلیہ بگڑ جائے گا کیوں کہ یہ علم المعانی اور قواعد کی رو سے ضروری ہیں۔ کسی زبان کا صرف اصواتی پہلو ہی قیمتی نہیں ہوتا اُس کا تحریری پہلو بھی دیکھنا چاہیے اور علامات کی سہولت کو نظر انداز کر دینے سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ابجد میں سب حروف شامل نہیں ہوتے کیوں کہ ہجا دکھانے کے لیے ایک ابجدی حرف کی کئی شکلیں ہیں اور یہ ساری شکلیں حروف کی تختی میں شامل نہیں کی جاتیں۔(۵۸)

انسان کا لہجہ اور تلفظ کبھی حروف تہجی کا پابند نہیں رہا۔ رومن جیسے بے عیب و پاک ذات رسم الخط میں بھی ہم انگریزی الفاظ کو انگریزی سے مختلف تلفظ اور لہجے کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔۔۔املا یا تحریر کی کوئی رسم، کوئی ضابطہ، کوئی قانون انسانی آوازوں کو گرفت میں نہیں لاسکتا۔ حروف صرف نشان ہوتے ہیں ذہن کی رہبری کے لیے۔ ان کو اکملا و راتم بنانے کی کوشش لا حاصل ہے۔(۵۹)

موجودہ دور تک کی پنجابی لسانی تحقیق اور تجاویز کو سامنے رکھتے ہوئے پنجابی حروف تہجی بارے بات کی گئی ہے۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد بھی ''مُڈھلی پنجابی گرامر''(۶۰) میں محمد آصف خاں کے بتائے ہوئے پنجابی حروف تہجی میں تین حروف کے اضافے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اُس فہرست میں ''آ''، اڑ لام (ل) کو شامل ہونا چاہیے کیوں کہ یہ الگ صوتیے ہیں۔ اسی طرح نون غنہ (ں) کو بھی الگ صوتیہ مانتے ہیں کوئی حرج نہیں جیسے پنجابی میں ''جان'' اور ''جاں'' میں فرق نون (ن) اور نون غنہ (ں) کی وجہ سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے ''ں'' کو الگ حرف ہی سمجھنا چاہیے۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی تجاویز جن سے کرامت مغل نے بھی اپنی ''پنجابی گرامر''(۶۱) میں اتفاق کیا ہے۔ پنجابی کے حروف تہجی کی حتمی تعداد ۵۶ بنتی ہے جو یہ ہے:

ا آ ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص
ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ ل م مھ ن نھ ن ں و ہ ء ی ے۔

اُردو حروف تہجی کی تعداد پر بھی ماہرین میں اختلاف ملتا ہے۔ مختلف ناقدین نے اپنی تحقیق سے ان کی تعداد بھی مختلف ہی بتائی ہے۔ انشا اللہ خان (۱۸۱۷ء) نے اردو حروف تہجی کی تعداد ۸۵ بتائی ہے۔

پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی (۱۹۵۵ء) کے نزدیک اردو حروف تہجی کی تعداد ۴۷ ہے۔ شیخ چاند، اسماعیل میرٹھی، حیات اللہ انصاری، رشید حسن خان اور بعض دوسرے عالموں اور قاعدہ نویسوں کے نزدیک بھی اُردو حروف تہجی کی تعداد جدا جدا ہے۔ اُردو کے بیشتر قاعدہ نویسوں نے ہائے مخلوط (ھ) سے تشکیل پانے والی تحریری شکلوں مثلاً بھ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ، ڑھ، ڈھ، کھ اور گھ وغیرہ کو بھی حروف حروف کا درجہ دیا ہے۔ بعض اہل علم نے (ہمزہ) کو بھی حروف تہجی میں شامل کیا ہے بعض کے نزدیک یہ صرف ایک علامت ہے۔ اسی طرح حرف ''ۃ'' کو حروف تہجی میں شامل کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ مقتدرہ قومی زبان نے اسے بھی حروف تہجی میں شامل کیا ہے۔(۶۲) مولوی فتح محمد خان نے اردو حروف تہجی کی تعداد ۵۱ بتائی ہے جس میں ۱۵ مرکب حروف اور ۳۶ مفرد حروف شامل ہیں:

ا، ب، بھ، پ، پھ، ت، تھ، ٹ، ٹھ، ث، ج، جھ، چ، چھ، ح، خ، د، دھ، ڈ، ڈھ، ذ، ر، رھ، ڑ، ڑھ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، کھ، گ، گھ، ل، لھ، م، مھ، ن، نھ، و، ہ، ء، ی (۶۳)

ڈاکٹر محمد اشرف کمال نے ''لسانیات، زبان اور رسم الخط'' (۶۴) میں اردو حروف تہجی میں شامل عربی، فارسی، سنسکرتی وابدالی اور عربی وابدالی حروف الگ الگ بتائے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

عربی حروف: اب، ت، ث، ج، ح، خ، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، ل، م، ن، و، ہ، ء، ی (۲۹ حروف)

فارسی حروف: پ، چ، ژ، گ، ہا (ملفوظی)، یہ (مختفی)، ے (مجہول) (۷ حروف)

سنسکرتی وابدالی: ٹ، ڈ، ڑ (فارسی والوں کی اتباع میں اسی طریق پر وضع کیے) (۳ حروف)

عربی وابدالی: ھ عربی ملفوظی کو اردو علماء نے مرکب حروف کے لیے اختیار کیا (۱ حرف)

اردو توضیحی مرکب حروف جن میں دوچشمی ھ مخلوط کی جاتی ہے:

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ، وھ، یھ (۱۷ حروف)

اس طرح اردو حروفِ تہجی کی تعداد ۷۵ بنتی ہے۔ غلام ربانی مجال کے نزدیک مندرجہ بالا ۱۷ مرکب حروف کو اردو حروف تہجی میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔ گویا اصل حروف تہجی کی تعداد ۴۰ ہی بنتی ہے۔(۶۵)

۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء کو مقتدرہ قومی زبان کے زیر اہتمام ایک اجلاس میں ایک جدول (chart)

کے ذریعے مختلف لغات کی مدد سے اردو کے مختلف حروف کی ترتیب کو واضح کیا گیا چوں کہ کمپیوٹر پر انھی معیارات کو استعمال میں لایا جارہا ہے لہذا اجلاس میں ڈاکٹر سرمد حسین، ڈاکٹر عطش درانی، کمپیوٹر بیورو اسلام آباد کے ڈائریکٹر سعید احمد اور بارانی یونیورسٹی راولپنڈی کے ڈاکٹر محمد افضل کی کمیٹی میں ان سفارشات کو حتمی شکل دی گئی اور درج ذیل حروفِ تہجی جن کی تعداد ۵۸ بنتی ہے اوران کی ترتیب کو حتمی طور پر طے کیا گیا:

ا،آ، ب، بھ،پ، پھ، ت،تھ، ٹ،ٹھ، ث، ج، جھ، چ، چھ، ح، خ، د، دھ، ڈ، ڈھ، ذ، ر، رھ،ڑ، ڑھ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، کھ،گ، گھ، ل، لھ، م، مھ، ن، نھ، ں، نھ، و، وھ، ہ، ۃ، ء، ی، یھ، ے (۶۶)

مقتدرہ قومی زبان نے کمپیوٹر، کتابت، اشارہ سازی اور تدریس کے لحاظ سے مندرجہ بالا اردو حروف تہجی کے ۵۸ حروف طے کیے اوراس کے ساتھ ساتھ علامات کی ترتیب بھی مقرر کی۔شان الحق حقی نے اردو حروف تہجی کی تعداد ۵۲ بتائی ہے۔انھوں نے ''ھ'' کو الگ حروف لکھنے کی بہ جائے اسے ''ہ'' کا مترادف لکھا ہے۔اسی طرح انھوں نے ''نھ'' کو بھی الگ حروف کے طور پر استعمال نہیں کیا۔

ا،آ، ب، بھ، پ، پھ، ت،تھ، ٹ،ٹھ، ث، ج، جھ، چ، چھ، ح، خ، د،دھ، ڈ، ڈھ، ذ، ر، رھ،ڑ، ڑھ، ز، ژ، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، کھ،گ، گھ، ل، لھ، م، مھ، ن، و، ہ(ھ)، ء، ی، ے (۶۷)

مولوی عبدالحق نے ''قواعد اردو'' (۶۸) میں حروف تہجی کی تعداد پچاس لکھی ہے انھوں نے ''ھ'' کو حرف کے طور پر شمار نہیں کیا۔ ''ن'' اور ''ں'' کو بھی الگ الگ لفظ سمجھنا چاہیے۔اگر ہم انھیں دو الگ لفظ نہ سمجھیں اور اگر ''ن'' اور ''ں'' کو ایک ہی حرف تسلیم کرلیا جائے تو صورت حال یوں ہوگی: میں، مین۔یعنی ایک ہی لفظ میں صورت حال واضح ہوجاتی ہے کہ ''ن'' الگ معنی دے رہا ہے اور ''ں'' الگ۔جب لفظ میں ''ں'' کو ''ن'' کی جگہ استعمال کیا گیا تو ایک علیحدہ اور الگ لفظ بن کر سامنے آ گیا۔اردو کے بنیادی حروف کی بات کریں تو ڈاکٹر اشرف کمال نے ان کی تعداد ۲۰ بتائی ہے جب کہ غلام ربانی مجال نے بنیادی حروف کی تعداد ۲۳ گنوائی ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اردو کے حوالے سے پندرہ بنیادی شکلیں گنوائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ ا

۲۔ ب، پ، ت، ٹ، ث

۳۔ ج، چ، ح، خ

۴۔ د، ڈ، ذ

۵۔ ر، ڑ، ز، ژ

۶۔ س، ش

۷۔ ص، ض

۸۔ ط، ظ

۹۔ ع، غ

۱۰۔ ق

۱۱۔ ک، گ

۱۲۔ ل

۱۳۔ م

۱۴۔ ہ

۱۵۔ ی (۶۹)

اردو کو ۳۴ علامتیں فارسی سے ملیں۔ ان میں دو حروف علت اور چودہ حروف صحیح بھ، پھ، تھ، دھ، جھ، چھ، کھ، گھ، ٹ، ڈ، ڑ، ٹھ، ڈھ، ڑھ یعنی کل سولہ علامتوں کا اضافہ کر کے ہم نے ایک نیا ملا جلا رسم الخط بنایا ہے جو اب تک اردو کے فطری تقاضوں کا ساتھ دیتا رہا ہے۔(۷۰)

انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے کئی وسائل سے کام لیتا رہا ہے۔ جس طرح دنیا کی مختلف زبانوں کے آغاز وارتقاء بارے لسانی محققین کے نظریات رائج ہیں۔ اسی طرح فن تحریر کے آغاز بارے بھی مختلف نظریات ملتے ہیں۔ مختلف نشانات، علامات، مصوری اور تصویری خط وغیرہ کے بہت بعد حروف تہجی ایجاد ہوئے۔ جیسے کسی بھی زبان کی موجودہ شکل ایک لمبے لسانی تغیر کے بعد سامنے آتی ہے اسی طرح دینا کی ہر زبان کے حروف تہجی کے ارتقاء کی بھی ایک مکمل لسانی تاریخ ہے۔ یعنی جس طرح زبان میں لسانی ارتقائی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اُسی طرح جدید دور کی لسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زبانوں کے حروف تہجی میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی گنتی اور ہیئت دونوں حوالوں سے سامنے آتی

ہے جیسے پنجابی اور اردو حروف تہجی کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے اور حروف کی مختلف شکلیں بھی تبدیل ہوتی رہی ہیں۔ پنجابی اور اردو حروف تہجی اپنی علیحدہ خصوصیات رکھتی ہیں اور ان کی آوازیں اپنی ہوتی ہیں۔ ان دونوں زبانوں کے حروف تہجی عربی، فارسی حروف تہجی سے ماخوذ ہیں۔ عربی، فارسی، ہندی کے علاوہ پنجابی اور اردو زبان میں انگریزی، ترکی، پرتگالی، لاطینی، یونانی، سنسکرت، پشتو، بلوچی، سندھی، کشمیری، گجراتی، براہوی، سومیری، چینی، پالی، منڈاری، دراوڑی وغیرہ کے الفاظ بھی بکثرت موجود ہیں۔ لہٰذا لسانیات کی رُو سے عربی فارسی رسم الخط اور اُن سے ماخوذ حروف تہجی ان تمام خصوصیات پر پورا اُترتے ہیں جو پنجابی اردو حروف تہجی کے لیے ضروری ہیں۔ پنجابی اور اردو کے حروف تہجی نہ صرف تاریخی، مذہبی، ثقافتی وتہذیبی ضروریات کے مطابق ہیں بلکہ لسانیاتی طور پر بھی مناسب اور آسان فہم ہیں۔ ان حروف تہجی کی لکیریں، گولائیاں اور خمدار شکلیں تحریر کو خوبصورتی اور دلکشی کا جامہ زیبا عطا کرتی ہیں۔

❁...❁...❁

حوالہ جات

۱۔ محمد اسحٰق صدیقی، فنِ تحریر کی تاریخ، تحقیق و تدوین: کلیم الٰہی امجد، (کراچی: بک ٹائم، ۲۰۱۸ء)، ۹۔

2۔ https//:ur.wikipedia.org

۳۔ بحوالہ گیان چند جین، عام لسانیات، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۸ء)، ۶۴۳۔

"Writing is a system of human inter communication by means of conventional visible signs."

4۔ Wellisch Hans, H, The Conversion of Scripts, 1st Nature, History and Utilization, JhonWelly And Suns, London, 15.

"A writing system is a system of rules governing the recording of words and sentences of a languages by means of conventional graphic signs."

۵۔ فنِ تحریر کی تاریخ، ۱۴۔

6۔ Kim, G., An, E., & Kim, S. (2003). Logogram VR: Treadmill - Coupled VR with Word Reflective Content for Embodied Logogram Learning. Applied Sciences, 13(3), 1627.

7۔ Buzalskaia, E., Liubimova, N., &Pervushina, I. (2002). Phonetic Mistakes Caused by The Difference in the Structure of Syllables in Phonemic and Syllabic Languages, and the System of their Correction. In INTED2022Proceedings pp. 2469-2474 .IATED.

"Syllables are one of the fundamental building blocks of early language acquisition. From birth onwards, infants preferentially segment, process and represent the speech into syllable-sized units, raising the question of what type of computations infants are able to perform on these perceptual units. Syllables are abstract units structured in a way that allows grouping phonemes into sequences."

8۔ Diringer, D.(1943). The origins of the alphabet. Antiquity, 179 (66), 77-90.

"The alphabet is the most highly developed, the most convenient

and adaptable form of writing. It consists of a number of purely conventional signs or symbols called letters, each one denoting a single sound, at least theoretically. Alphabetic writing is now universally adopted by civilized peoples; its use is acquired in childhood with ease–it is obviously much easier to learn 22, 24or 2 6 signs than, for example, 45,000, or 10,000, or even 3000 Chinese symbols. The alphabet may also be passed from one language to another without great difficulty. It is no longer an exclusive prerogative of the priestly or other privileged classes, as ancient ideographic scripts were. Education has become largely a matter of reading and writing and is possible for all.''

۹۔ عام لسانیات، ۶۵۲۔۶۷۳۔

10_ Duke University Press. (2024). The Cherokee syllabary from script to print.Ethnohistory, 57(4), 625–649. Retrieved from https//:read.dukeupress.edu/ethnohistory/article-abstract/57/4/625/8951/The-Cherokee-Syl
''A syllabary is a type of writing system in which each symbol represents a syllable, which typically consists of a consonant followed by a vowel (CV) or a vowel alone (V). This is distinct from alphabetic systems where individual symbols represent individual phonemes consonants and vowels.''

۱۱۔ محمد اسحق صدیقی، تحقیق و تدوین کلیم الٰہی امجد، فن تحریر کی تاریخ، ۴۴۔۴۵۔

12- Gelb, J.J, A Study of writing; the Foundation of grammatology, 11
''Writing began at the time when man learned how to communicate his thoughts and feelings by means of visible signs, understandable not only to himself but also to all other persons more or less initiated in particular system.''

۱۳۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، ۶۴۶۔

۱۴۔ محمد اقبال بھٹا، ڈاکٹر، لاہور اور فن خطاطی، (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۷ء)، ۱۷۶۔

۱۵۔ خورشید عالم گوہر قلم، مخزن خطاطی، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ۱۳۔۱۴۔

۱۶۔ محمد اقبال بھٹا، ڈاکٹر، آغاز فن تحریر و اسلامی خطاطی دینی ڈائجسٹ روزنامہ پاکستان ۲۷ مئی ۱۹۹۷ء۔

۱۷۔ فن تحریر کی تاریخ، ۱۵۔

18- Breasted, J.H, The Conquest of Civilization, London, Harper & Brothers, 1926, 53.

19_ Hamilton, G. J. (2024). The origins of the West Semitic alphabet in Egyptian scripts (Vol.40). Wipf and Stock Publishers.

۲۰۔ مجاہدہ بٹ، ڈاکٹر، لکھت دی ٹور، (لاہور: ادارہ پنجابی لکھاریاں، ۲۰۱۶ء)، ۱۸۔۱۹۔

۲۱۔ محمد اسحق صدیقی، فن تحریر کی تاریخ، ۱۵۳۔

۲۲۔ بہ حوالہ سردار محمد خاں، سودھنہار: آرخانم، پنجابی زبان، (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۷ء)، ۶۶۔

"The Phoenicians were also the first state –level society of make extensive use of the alphabet, and the Canaanite. Phoenician alphabet is generally believed to be the ancestor of almost all modern alphabets. Phoenicians spoke the Phoenician language, which belongs to the group of Canaanite languages in the sematic language family."

۲۳۔ لکھت دی ٹور، ۱۱۸۔۱۱۹۔

24_ "A History of the Hebrew Language"by Angel Saenz-Badillos (1993).

"The Hebrew language, one of the oldest known languages, originated as a Northwest Semitic language. Its earliest known texts date back to the end of the second millennium BCE, around the 14th to 13th centuries BCE, when the Israelite tribes settled in Canaan. The language continued to be used in spoken and literary forms until the fall of Jerusalem in 587 BCE, marking the beginning of the Babylonian exile, after which its use diminished in everyday speech but persisted in religious and literary contexts."

۲۵۔ عام لسانیات، ۶۷۔

26_ Forchini, P. (2015). The Real Professor (s) H i g g i n s . E D U C a t t - Ente per ildirittoallo studio universitariodell' UniversitàCattolica.

"Daniel Jones (1881–1967(is known as the father of phonetics.

He was a linguist, and professor of phonetics at University College, London. Jones invented the cardinal vowel diagram, and wrote An Outline of English Phonetics.’’

27۔ Isserlin, B. S., &Boardman, J. (1982). The earliest alphabetic writing.The Cambridge ancient history, 3 (Part-I)

‘‘Nearly all alphabetic scripts used throughout the world today ultimately go back to this Semitic script. Its first origins can be traced back to a Proto-Sinaitic script developed in Ancient Egypt to represent the language of Semitic-speaking workers and slaves in Egypt.’’

۲۸۔ خالد محمود خان، لغات لسانیات، (لاہور، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۷ء)، ۳۰۔

‘‘The written characters of a language, in their conventional order, each representing a sound or combination of sounds, exclusive of ideograms or logograms and syllable signs.’’

29–https//:www.oxfordreference.com/display/10.1093/oi/authority.20110803095405301#:~:text=

A particular sequential arrangement of a set of letters or other graphic symbols asked to write a language in which these graphemes are used to represent the basic speech sounds or phonemes.

۳۰۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، مڈھلی پنجابی گرامر، (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۲۱ء)، ۶۱۔۶۲۔

31–https//:www.collinsdictionary.com/dictionary/english/alphabet#:~:text=1.,one%20representing

"An alphabet is a set of letters usually presented in a fixed order which is used for writing the words of a particular language or group of languages."

۳۲۔ ’’اوہ حروف جنّیں کِن کُئی زبان وجود وِچ آندی ءِ او حروف اُونہہ زبان دے حروف تہجی آکھیند ن۔ ڈوجھے لوظیں وِچ کہیں وی زبان کوں بولن، لکھن تے پڑھن کیتے جنھیں لوظیں دا سہارا گِھد اویندے او لوظ کجھ حروف دا مجموعہ ہوندِ ن۔ انھیں حرفیں کُوں حروف تہجی آکھیا ویندے۔‘‘ امان اللہ کاظم، جامع سرائیکی قواعد (پہلی جلد علم الصرف)، (لاہور: عثمان پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ۳۵۔

۳۳۔ محمد آصف خاں، نک سک تے ہور نک سک، (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، س ن)، ۱۲۷۔۱۲۸۔

۳۴۔ اختر جعفری، سید، ڈاکٹر، داستان پنجابی زبان وادب، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۳ء)، ۵۵۔

۳۵۔ عام لسانیات، ۶۸۳۔

۳۶۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۸ء)، ۶۸۸۔

۳۷۔ سردار محمد خان، سودھنہار: آرخان، پنجابی زبان، (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۷ء)، ۲۴۹۔

۳۸۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، مڈھلی پنجابی گرامر، (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۲۰۱۲ء)، ۶۲۔

۳۹۔ محمد آصف خاں، نک سک تے ہور نک سک، ۱۳۱۔

۴۰۔ محمد بشیر گورائیہ، چودھری، پنجابی قاعدہ، (لاہور: اقدس پبلی کیشنز، ۱۹۷۳ء)، ۲، ۱۵۔

۴۱۔ شوکت مغل، سرائیکی قاعدہ، (ملتان جھوک پبلشرز، س۔ن) ۱۳، ۱۷۔

۴۲۔ شوکت مغل، سرائیکی نسوں بھتی قاعدہ (قدیم ملتانی قاعدہ)، (ملتان جھوک پبلشرز، س۔ن)، ۵۔

۴۳۔ شوکت مغل، آؤ سرائیکی پڑھوں تے سرائیکی لکھوں، (ملتان جھوک پبلشرز، ۲۰۰۴ء)، ۲۰۔

۴۴۔ امان اللہ کاظم، جامع سرائیکی قواعد، (لاہور: عثمان پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ۳۶۔

۴۵۔ غلام حسین راہی گبول، قاصر فریدی، سرائیکی دی پہلی کتاب نال سرائیکی قاعدہ، (بھونگ شریف: گبول سرائیکی تعلیمی ادارہ، ۱۹۹۵ء)، ۶، ۹۔

۴۶۔ محمد بشیر احمد ظامی، بہاولپوری، نخلستان قواعد، (ملتان: محکم آرٹ پریس، ۱۹۶۳ء)، ۲۹۔

۴۷۔ اختر حسین خان، زبیر بن قاسم، مرزا فیاض ظفر بیگ، (ملتان: پاکستان سرائیکی سوچ قبیلہ، ۱۹۶۳ء)، ۱۱۔

۴۸۔ کیفی رسولپوری، کیفی سرائیکی قاعدہ، (ڈیرہ غازی خان: ناصر پبلیکیشنز، س۔ن)، ۴۶۔

۴۹۔ حسام حُر، ہندکو قاعدہ، (پشاور: پاکستان مرکزی ہندکو بورڈ، س۔ن)، ۱، ۱۰۔

۵۰۔ مزمل احمد، پنجابی قاعدہ (پہلا حصہ)، (حویلی لکھا: مزمل احمد ایم اے، ایم ایڈ، ۱۹۹۸ء)، ۱۔

۵۱۔ شبیر جی، پنجابی گریالا، (لاہور: کتاب پڑھیا، ۲۰۱۹ء)، ۱۷۔

۵۲۔ مقبول بیگ بدخشانی، مرزا، ڈاکٹر، قواعد پنجابی، (لاہور: عزیز بک ڈپو، ۱۹۳۷ء)، ۹۱۔۱۲۔

53_ MangatRaiBhardivaj, Panjabi A Comprensive Grammar, London And New York, Routledge, 2016, 373,376.

۵۴۔ سردار محمد خان،سودھنہار،آرخانم،پنجابی زبان، ۰۴۔۲۲۷۔

۵۵۔ جمیل احمد پال،پنجابی قاعدہ، (لاہور: پنجابی سائنس بورڈ،۲۰۲۱ء)،۱۶۔

۵۶۔ شہباز ملک،ڈاکٹر،پنجابی لسانیات،(لاہور:عزیز بک ڈپو،۱۹۹۶ء)،۸۰۔۸۲۔

۵۷۔ محمد آصف خاں،پنجابی قاعدہ،(لاہور پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۵ء، ۱۳۔

۵۸۔ سردار محمد خان،سودھنہار: آرخانم،پنجابی زبان، ۴۰۔۴۱۔

۵۹۔ شان الحق حقی،لسانی مسائل ولطائف،(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۶ء)، ۸۲۔

۶۰۔ ارشد محمود ناشاد،ڈاکٹر،مڈھلی پنجابی گرامر،(لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ،۲۰۲۱ء)، ۶۳۔۶۴۔

۶۱۔ کرامت مغل،پنجابی گرامر،(لاہور: رویل پبلیکیشنز، ۲۰۲۳ء)،۸۔

۶۲۔ کلیم الٰہی امجد (مرتب)،اردو زبان کا لسانیاتی تجزیہ،(کراچی: سٹی بک پوائنٹ،۲۰۱۹ء)،۸۱۔

۶۳۔ مولوی فتح محمد خان،مصباح القواعد،(علی گڑھ: پی،سی،دوادش شرینی اینڈ کمپنی،۱۹۳۸ء)،۸۔

۶۴۔ ڈاکٹر اشرف کمال، لسانیات زبان اور رسم الخط، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۲۰ء)، ۱۰۲۔۱۰۳۔

۶۵۔ غلام ربانی مجال،اردو حروف تہجی کے مآخذ،اخبار اردو،اسلام آباد،اگست ۲۰۰۵ء، ۴۲۔

۶۶۔ عقیل عباس جعفری،اردو کے حروف تہجی کی ترتیب،اخبار اردو،اسلام آباد،اگست ۲۰۰۴ء ۲۰۔

۶۷۔ شان الحق حقی،فرہنگ تلفظ،(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۵ء)،م۔

۶۸۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق،قواعد اردو،(لاہور: لاہور اکیڈمی،۱۹۵۸ء)،۳۸۔

۶۹۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری،اردو زبان وادب،(لاہور: الوقار پبلی کیشنز،س،ن)،۵۷۔۶۷۔

۷۰۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،اردو زبان اور لسانیات،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء)،۱۱۱۔

❁...❁...❁